ما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا

رسول اللہ جو کچھ تم کو دیں اُس کو لے لو، اور جس سے منع کریں اُس سے باز آجاؤ!

صحیح بخاری شریف مترجم

جلد اوّل

۷،۲۷۵ احادیث نبوی کا بیش بہا خزانہ

جس کو ابو عبد اللہ امام بخاریؒ نے جمع کر کے مسلمانانِ عالم پر احسانِ عظیم فرمایا ہے!

ترجمہ و فوائد اور ضروری تشریحات

(از)

(۱) مولانا امجد العلی صاحب (۲) مولانا ابو الفتح صاحب

(۳) مولانا سبحان محمود صاحب (۴) مولانا قاری احمد صاحب

(ناشر)

غالب اختر صدیقی و قابل اختر صدیقی، مالکان کتب خانہ رحیمیہ دیوبند

یو۔پی (انڈیا)

دینی کتابوں کی اشاعت انکو صحت کرا کر عمدہ اور بہتر بن شائع کرنا ثواب ہے،

ہم نے اس نسخہ صحیح البخاری مترجم کے اصل نسخہ کی عربی اور اردو دونوں کی پہلے صحت کرائی جس سے اصل کتاب کی بیشمار اغلاط عربی، عبارت حدیث اور ترجمہ میں ظاہر ہوئیں جنکو درست کرادیا گیا ہے اب یہ صحیح نسخہ ہدیہ ناظرین ہے۔

ناشران

محمد اسحٰق صدیقی اینڈ سنز تاجران کتب

ومالکان کتب خانہ رحیمیہ دیوبند (یوپی)

ہدیہ فی جلد سولہ روپے ۱۶ عہ

کامل ہر سہ جلد اڑتالیس روپے ۴۸ للعہ

مُسلمان اِس سے ناواقف نہیں ہیں کہ قرآن وحدیث دین کا سُتون ہیں اور دین کی اصل یہی دو چیزیں ہیں۔ نیز ان دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ ایک ایسا گہرا تعلق ہے کہ اُن میں سے کسی ایک کو دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا قُرآن اگر جسم ہے تو حدیث اس کی رُوح، اور کتاب اللہ اگر متن ہے تو احادیث نبویہؐ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال، اس کی شرح ہیں!۔

اور اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ کتاب اللہ کے بعد تمام دیگر کتب سے صحیح بخاری زیادہ صحیح کتاب ہے جسکی نظیر علم حدیث میں ممکن نہیں، اس امر پر بھی سب متفق ہیں کہ ابو عبداللہ بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ فنِ حدیث میں امیرالمحدثین و راس المحدثین ہیں؛ قدیم اور جدید ائمہ حدیث میں امام مذکور کو اللہ تعالیٰ نے جو شرف قبولیت مرحمت فرمایا، دوسرے کسی محدث کو یہ مرتبہ نصیب نہ ہوا، آپ کی توثیق وامانت وضبط، حفظ وصیانت میں بالاتفاق آپ کا نظیر نہ پایا گیا۔ دنیوی حیات کے اعتبار سے جہاں عالم میں آپ کی مقبولیت عنداللہ مقبول ہونے کی دلیل ہے وہاں بعد وفات آپ کی قبر مُبارک کی مٹی سے مُشک کی خوشبو آنا آخرت میں بھی آپ کی کامیابی کی واضح دلیل ہے۔ کتنی خوش نصیب ہے وہ قوم کہ جس کے ہاتھوں میں ایسے فرزند ایمان کی جانکاہ کوشش کا ثمر موجود ہو۔ اِسی لئے احقر نے یہ کوشش کی ہے کہ اس بیش بہا ذخیرہ کو ایسی شکل میں شائع کردے جس سے عامۃ المسلمین متمتع ہوں۔

چنانچہ ایک کالم میں عربی اور اس کے مقابل دوسرے کالم میں بامحاورہ وسلیس اُردو ترجمہ اور ضروری تشریحات و فوائد کے ساتھ یہ بیش بہا خزانہ آپ کے پیش خدمت ہے!۔

آخر میں دُعا ہے کہ خُدا تعالیٰ میری اس ناچیز کوشش کو قبول فرمائے، تاکہ آخرت کیلئے کچھ نہ کچھ ذخیرہ مغفرت ہوسکے۔ آمین! ــــــ

بندہ محمد اسحاق صدیقی عفی عنہ

عرضِ مُترجمین

قرآن مجید جس تواتر سے ہم تک پہنچا ہے، اور جس قدر یقین کے ساتھ ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ یہ وہی قرآن ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے، آج دنیا کی کسی بھی الہامی و مذہبی کتاب کے متعلق اس یقین کے ساتھ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ ہر زمانہ میں لاتعداد حفاظِ قرآن کی موجودگی اس کا بیّن ثبوت ہے، نمازوں میں اسکی قرأت کو فرض قرار دیا گیا، اور رمضان کے مبارک مہینوں میں پُورے قرآن کے سُننے کی ہدایت کی گئی اور اس کی تلاوت پر وعدۂ اجر فرما کر لوگوں کو اس کی ترغیب دی گئی۔ اس سے مقصد اگر ایک طرف کلام الٰہی سے محبت رکھنے والوں اور اہل اللہ کے ذوق کی تسکین کا سامان مہیا کرنا ہے تو دوسری طرف یہی چیزیں قرآن کی حفاظت کا ذریعہ ہیں۔

قرآن جب نازل ہوا تو اس شان کے ساتھ کہ بڑے بڑے فصیح و بلیغ اور قادر الکلام لوگوں کی زبانیں اس کے آگے گنگ تھیں، اس کی تجلیات نے سبھوں کی نگاہوں کو خیرہ کر دیا تھا، قرآن کی تحدی اور اس کے چیلنج کا جواب نہ دے سکے، بڑے بڑے آتش بیانوں کی شعلہ فشانیاں نارِ ابراہیم کی طرح سرد پڑ گئیں، اس کے کوس لمن الملک کے سامنے بڑے بڑے مدعیانِ فصاحت و بلاغت نے سپر ڈال دئے، قرآن اپنے دعویٰ میں بالکل سچا ثابت ہوا کہ "لوگ اس کے مثل نہیں پیش کر سکتے، اگرچہ ایک دوسرے کی مدد ہی کیوں نہ کریں"۔ اسلئے کہ اس جیسا فصیح و بلیغ کلام کوئی نہ پیش کر سکا، اور خُدا نے اپنا وعدہ "اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ" بھی سچ کر دکھایا، اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ آج چودہ صدیاں گذر جانے کے بعد بھی ایک حرف و نقطہ کی تبدیلی اس میں جگہ نہ پا سکی، اور قیامِ قیامت تک یقیناً اس کی یہی حالت رہے گی۔

جہاں تک اس کی تعلیمات اور اس کے معنوی اثرات کا تعلق ہے، اس کے متعلق اس قدر اشارہ کافی ہے کہ یہ قرآن ہی کا کرشمہ تھا جس کے باعث بھیڑ بکریوں کے چرواہے انسانیت کے نگہبان بن گئے، بہیمیت اور درندگی کی پستی سے نکل کر انسانیت کے اس بلند مقام تک پہونچ گئے جس سے زیادہ بلندی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، جس کتاب نے اُن خانہ بدوشوں کی زندگی میں اتنا بڑا انقلاب پیدا کر دیا ہو، اس کتاب کے لانے والے کے ساتھ جو عقیدت اور والہانہ شیفتگی ہوگی وہ ظاہر ہے، اور آپؐ کے اقوال و افعال کو جو در حقیقت قرآن کی عملی تفسیر ہیں، جس طرح اپنے حافظوں میں محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہوگی، وہ محتاجِ بیان نہیں، خداوند تعالیٰ نے جس طرح اپنی کتاب کی حفاظت کا وعدہ کیا، اسی طرح کتاب لانے والے کے اقوال و افعال کی حفاظت کا اِس طرح سامان کیا کہ ہماری عقلیں اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں، اِس علم کے ایسے ایسے شائق پیدا ہوئے کہ صرف ایک حدیث کے حاصل کرنے کے لئے دُور دراز ممالک کے سفر کی مشقتیں اُسوقت برداشت کیں جبکہ سفر نمونۂ سقر تھا، اور ذرائع آمد و رفت کی وہ سہولتیں میسر نہ تھیں جو ہمیں آج حاصل ہیں

چونکہ ہمیں آج یہ نعمت بے بہا بے محنت ملی ہے اسلئے ہم اس کی صحیح قدر و قیمت نہیں پہچان سکتے، اور جتنی مشقتیں محدثین نے اِس کے تحفظ کے لئے برداشت کی ہیں ہم اُن کا تصور بھی نہیں کر سکتے، یہی وجہ ہے کہ کچھ ناقدر شناسوں نے اِس کی اہمیت کو

اِس حد تک کم کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس کا وجود و عدم برابر ہو جائے۔ ایک طرف شوق کا یہ عالم تھا، دوسری طرف حافظہ کی نعمت خداداد انہیں حاصل تھی۔ چنانچہ ایسے مافوق العادۃ حافظہ کے لوگ وجود میں آئے کہ اُن کے واقعات سُنکر عقل حیران اور ششدر رہ جاتی ہے۔ اُن حفاظِ حدیث میں امام بخاریؒ کا درجہ سب سے بلند ہے۔ بچپن میں بینائی کا جاتا رہنا، والدہ کی دُعا کی برکت سے بینائی کا عود کر آنا، ابراہیم علیہ السّلام کی بشارت، محمد بن ابی حاتم کا خواب دیکھنا کہ امام بخاریؒ اپنا پاؤں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر رکھ رہے ہیں، حافظہ کا یہ حال کہ جس چیز کو ایک بار دیکھ لیا، یا سُن لیا، زندگی بھر نہیں بھولے پھر ان کی تالیف صحیح بخاری کا قبول عام حاصل کرنا، اس کے جمع و ترتیب میں مُشکلات کا پیش آنا، حزم و احتیاط کی یہ انتہا کہ کوئی حدیث بھی غسل اور دو رکعت نفل کے بغیر نقل نہیں کی، رواۃ کے متعلق سخت ترین شرطوں کا التزام وغیر ذٰلک ایسے اُمور ہیں جو کتاب اور صاحب کتاب دونوں کی اہمیت اور مقام کو واضح کرتے ہیں جن کی تفصیل کی متحمل یہ چند تعارفی سطور نہیں ہو سکتیں اِن اُمور کے پیش نظر اگر یہ کہا گیا کہ روئے زمین پر قرآن کریم کے بعد صحیح بُخاری سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں پائی جاتی تو اس پر متعجب نہیں ہونا چاہئے۔ اس کتاب کی عظمت و قدر اور اس کی اہمیت کا اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کتاب کی متعدد شرحیں لکھی گئیں، مقدمے لکھے گئے اور اس کتاب کی طرف بہت زیادہ توجہ کی گئی

اِس کتاب کی افادیت اور اہمیت کا تقاضا تھا کہ عربی جاننے والے حضرات کے ساتھ ساتھ وہ بھی اس سے فیض حاصل کریں جو صرف اُردو جانتے ہیں۔ چنانچہ متعدد حضرات نے اس کے ترجمے کئے، جن میں سب سے زیادہ مستند اور قابل اعتماد ترجمہ علامہ وحید الزماں کا ہے، لیکن اس کی زبان آج سے تقریباً ساٹھ سال پہلے کی ہے، اسلئے ضرورت محسوس کی گئی کہ اس کا ایسا ترجمہ کیا جائے جو بامحاورہ بھی ہو، اور موجودہ زمانہ کے ادبی مذاق کے مطابق بھی ہو۔ لیکن اتنا بڑا کام ایک آدمی کے بس کا نہیں تھا، اور اگر ایک آدمی کرنا بھی چاہتا، تو اتنی ضخیم کتاب کے ترجمے کے لئے ایک مدت درکار ہوتی، اور خواہش تھی کہ کم از کم مدت میں اِس کارِ خیر کو انجام دیا جائے۔ اس مقصد کے حصُول کے لئے اشتراکِ عمل ضروری تھا، اِسلئے ایک ادارہ کی تشکیل کی گئی، اور اس کا ترجمہ شروع کیا گیا جس کی اشاعت پر حاجی محمّد سعید صاحب اینڈ سنز نے آمادگی ظاہر کی،

ترجمہ کے سلسلے میں یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ باہمی مشورے سے اِس بات کی بے انتہا کوشش کی گئی ہے، کہ ترجمہ میں یکسانیت قائم رہے، نفسِ حدیث کا ترجمہ کیا گیا ہے اور سند میں صرف راویوں کے نام بیان کئے گئے ہیں حدیثیں مع سند اعراب کے ساتھ درج ہیں اور دوسری طرف اس کا ترجمہ لکھا گیا ہے۔ ان کوششوں کا نتیجہ جلد اوّل کی شکل میں ناظرین کے ہاتھوں میں پہونچا کر ہم مسرور ہیں کہ ہماری کوششیں بار آور ہوئیں! اور اُمید وار ہیں کہ ناظرین اِس کتاب سے فیض حاصل کرتے ہوئے اپنی دُنیا و آخرت سنوار کر مترجمین و ناشرین کے حق میں دُعائے خیر کرینگے۔

والسّلام!

(۱) مولانا امجد العلی صاحب (۲) مولانا ابو الفتح صاحب

(۳) مولانا سبحان محمود صاحب (۴) مولانا قاری احمد صاحب

فہرست ابواب صحیح بخاری شریف مترجم جلد اوّل

کتاب العلم!

کتاب الوضوء

دوسرا پارہ

کتاب الغسل!

كِتَابُ الحَيضِ

كِتَابُ التَّيَمُّم

كِتَابُ الصَّلٰوة

تیسرا پارہ

کتاب مواقیت الصلوٰۃ

کتاب الاذان

چوتھا پارہ

کتابُ الجُمُعَۃ

ابواب صلوٰۃ الخوف

کتاب العیدین

اَبْوَابُ الْوِتْرِ

اَبْوَابُ الْاِسْتِسْقَاءِ

أَبْوَابُ الْكُسُوفِ

ابواب تقصیر الصّلوٰۃ

پانچواں ۵ پارہ

کتاب الجنائز

چھٹا پارہ

کتاب الزکوٰۃ

کتاب المناسک

ساتواں پارہ

اَبْوَابُ العُمْرَة

كِتَابُ الصَّوْم

آٹھواں پارہ

کِتَابُ الْبُیُوْع

کتاب الشفعة

نواں پارہ

کتاب الحوالة

کتاب الوکالۃ

کھیتی اور بٹائی کے متعلق جو روایتیں منقول ہیں

کتاب المساقاۃ

الاستقراض واداء الدیون والحجر والتفلیس

کتاب فی الخصومات

کتاب فی اللقطۃ

کتاب المکاتب

پارہ	باب	عنوان	صفحہ

کتاب الشہادات

پارہ	باب	عنوان	صفحہ

فہرست ابواب صحیح بخاری شریف جلد اول

ختم ہوئی ۔

(ناشر تحقیق)

(مولوی) محمد اسحٰق مالک کتب خانہ رحیمیہ

دیوبند (یو۔پی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خواجہ عبدالوحید مدیر اعلیٰ ماہنامہ "پیامِ حق"

اِسلامی تمدّن کی ابتدار حضور رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت مُبارک سے ہوتی ہے، ابتداو حالات میں یہ تمدّن صرف عرب کے ریگستان و سنگلاخ میں محصور رہا۔ لیکن پھر رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین فدایانِ دین نے اِس تمدّن کو دیگر اقوام عالم کے سامنے پیش کیا۔ یہ وہ قومیں تھیں جن کو اُس زمانے میں اپنے تمدّن و فنون و علوم و معاشرت پر پُورا پُورا گھمنڈ تھا۔ لیکن اسلامی معاشرت اور تمدّن کو دیکھ لینے کے بعد اُن اقوام کا اس تمدّن کو قبُول کر لینا اور اپنے دیرینہ تمدّن و معاشرت کو چھوڑ دینا یہ بھی اسلام کا ایک معجزانہ اثر ہے۔

اِسلامی تمدّن و معاشرت کے اسباب اور اُس کے منبع کہ جہاں سے اس کے سوت اِس معجز نما اثر کے ساتھ نکل رہے تھے، اس کا معلوم کر لینا صرف دو چیزوں پر منحصر ہے، رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی مکمّل زندگی کا نقشہ آپؐ کے اقوال، صحابۂ کرامؓ کے آثار اور حالات و سیر، یہی وہ سلسلہ ہے جو حقیقت میں رُوحِ اسلام ہے، جس سے صرف یہی معلوم نہیں ہوتا کہ اسلامی تمدّن اور معاشرت کیسی اور کیا ہے، بلکہ معترض اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کے تقدس نفسی اور دُنیا کیلئے ایک عظیم لائحہ زندگی لیکر مبعوث ہونے کا بھی پتہ چلتا ہے، صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ احادیث و آثار و سیر کے اس قدر محفوظ ہو کر ہمارے ہاتھوں تک پہونچنے سے (ورفعنا لك ذكرك) کے وعدے کے ایفاء ہو کر اس پر مکمل مجبور ہونا پڑا ہے کہ قرآنِ کریم کو کتاب الٰہی ماننے میں دُنیا کا کوئی انسان خدا کی بارگاہ میں معذور نہیں سمجھا جاسکتا۔

بعض فضلار فرماتے ہیں کہ اذان میں، نماز میں، دیگر اسلامی عبادات میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک لیا جانا یہ ایفاء (ورفعنا لك ذكرك) ہے۔ لیکن میری نظر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ نبوت سے پہلے، اور حضورؐ کے وصال تک آپ کی زندگی کے ایک ایک گوشہ، ایک ایک پہلو (خواہ نشست و برخاست ہو، یا اکل و شرب، آپ کا چلنا پھرنا ہو، یا سونا جاگنا، آپ کی شرکت مجالسِ اصحاب ہو، یا تنہائی کی عبادت، آپ کا لین دین ہو، یا معاشرتِ ازواج) کا اس محفوظ طریقے سے (جس کی نظیر دُنیا اپنے وجود سے آجتک پیش نہیں کر سکی) ایفار (ورفعنا لك ذكرك) ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قبل نبوت کے حالات اگرچہ اُس درجے محفوظ نہیں جو بعد نبوّت کے حالات کا

مقابلہ کرسکیں لیکن دیگر انبیاء علیہم الصلوات والسّلام کے حالات کے مقابلہ میں رکھکر اگر دیکھا جائے، تو یہ کہنا پڑتا ہے :- "چہ نسبت خاک را با عالم پاک"۔

جب حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے بحکم خداوندی "یَاأَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ" کا اعلان کیا ہے اُس وقت سے لیکر حضور صلعم کا ایک ایک ارشاد، ایک زبردست قانون بنتا چلا گیا۔ یہ ہمارا ہی دعوےٰ نہیں بلکہ سبھی دُنیا کے محققین نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے۔

قرآنی نزول اور اُس کا انضباط اور تحفظ، اور اس سلسلہ میں مسلمانوں کی احتیاط اور شیفتگی اسلام کے دین کامل ہونے کی ایک کامل دلیل ہے۔ وہ ہزارہا اصحاب جن کی قوتِ حافظہ کی نظیر ملنا مشکل ہے جو اور دیگر صفات کے ساتھ قُدرت نے اُنھیں مخصوص طور پر عطا فرمائی تھی، وہ اپنے محبوب نبی کے نہ صرف وہ الفاظ جو آپ وحی کے نزول کے بعد فرماتے تھے، بلکہ اور الفاظ جو آنحضرت صلعم وقتاً فوقتاً اصلاحِ مسلمین کے لئے ارشاد فرماتے تھے، ذوق اور شوق سے سُنکر اس طرح حفظ کر لیتے تھے، جیسا کہ اُن کے دِلوں پر کسی نے کندہ کر دیا ہو، حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک ہدایاتِ الٰہیہ کے قلوب پر نقش کرنے کا وہ آلہ تھی کہ جس کے نقش نہ مٹنے والے ہوتے تھے۔

اِس غیر معمولی تعشق کا یہ نتیجہ ہے کہ آج حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے ہزاروں اقوال کے مجموعے ہمارے ہاتھوں میں موجود ہیں، اور ہزاروں اعمال کے آئینے ہماری نظروں کے سامنے بصورت احادیث دیکھے جا رہے ہیں، اگرچہ نفس پرست افراد نے ان پاک اقوال میں اپنے خیالات کو خلط ملط کرنے کی بھی بہت کوشش کی، مگر جس طرح جواہرات اور کانچ مخلوط ہونے پر جواہرات اپنے آپ بولتے ہیں، اسی طرح احادیث صحیحہ کو جوہریانِ حدیث کی نظریں دُور سے دیکھکر پہچان جاتی تھیں۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ جب اسلام کے لئے قانونی شکل میں قرآن کریم ایک کامل الاعجاز والی کتاب موجود تھی، تو پھر ایسی صورت میں احادیث کی کیا ضرورت پیش آتی ہے؟ مگر ایسا خیال کر لینا ایک سخت غلط فہمی ہی نہیں بلکہ انتہائی درجہ کی کجروی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو خدائے بزرگ و برتر نے نقلِ وحی کا محض آلہ (لاؤڈ اسپیکر) بنا کر نہیں مبعوث فرمایا تھا، بلکہ آپ کی ذات گرامی کو من وجہ شارح قوانین کتاب اللہ و من وجہ مقنن قوانینِ اسلام بنا کر مبعوث فرمایا تھا۔ دُنیا میں کوئی قانون ایسا نہیں کہ جس کی شرح و بسط کی ضرورت نہ ہو۔

کیا موجودہ خود ساختہ قوانین میں مفصل مقررہ دفعات موجود نہیں ہوتیں؟ اور باوجود سمجھ میں آنے والی عبارات کے دو ایڈووکیٹ دو بیرسٹر عدالت میں کھڑے ہو کر ایک دوسرے کے مخالف ایک ہی دفعہ میں اپنا اظہارِ خیال نہیں کرتے جو ایک دوسرے کے بالکل متضاد ہوتے ہیں؟ تو جس طرح موجودہ قوانین کی عبارتیں صاف سُلجھی ہوئی ہونے کے باوجود قابلِ تشریح اور توضیح ہوتی ہیں، تو قرآن کریم جو کتاب الٰہی، قانونِ خداوندی ہے، بندوں کے اس کے سمجھنے کے لئے کسی تشریح۔ تفصیل تفسیر کی ضرورت ہونا کس طرح قابلِ تعجب، اعتراض ہو سکتا ہے؟ البتہ خدائے تعالےٰ کے قانون کو سمجھنے کے لئے (نعوذباللہ) کوئی دوسرا خدا ہوتا، تو شاید کسی توضیح کی ضرورت نہ پیش آتی۔ مگر یہاں تو یہ شکل ہے کہ منزّل قانون ربّ العالمین ہے۔ اور اس کے سمجھنے والے مربوبین ہیں۔ بندے کا علم اور سمجھ معبود کے مقابلے میں اتنی حقیقت بھی نہیں رکھتا، جتنی کہ سُوئی کا

پانی جو سمندر میں ڈال کر نکال لی جائے۔

اسی لئے نزولِ قرآن کے وقت ضرورت اس کی داعی ہوئی، کہ جو زبان مظہر خداوند تعالےٰ کا کلام بیان کرے، وہی زبان مبارک ساتھ ساتھ اس کی تشریح و توضیح و تفصیل بھی کرتی چلی جائے۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ؕ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۚ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۚ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ ؕ

(ترجمہ) "اپنی زبان کو تیزی سے حرکت نہ دیجئے، تاکہ (قرآن) جلد یاد کرلیں، یہ ہمارا ذمہ ہے کہ اس کو (تمہارے سینے) میں جمع کردیں اور (زبان سے) پڑھا دیں، جس وقت (جبریلؑ) پڑھ چکیں، تو آپ اُس کے بعد پڑھیں، اس کے بعد کھول کر بتلانا بھی ہمارے ذمہ ہے"

چنانچہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کو کھول کر بتایا جاتا، اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اُمت کو توضیح کے ساتھ مُشکل حدیث کھول کر بتاتے جاتے۔ (وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ)

"ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل فرمایا، تاکہ آپ وضاحت و تفصیل کے ساتھ لوگوں کے سامنے اس چیز کو پیش کردیں، جو اُن کی طرف نازل کی گئی ہے۔"

اِس میں شک نہیں کہ قرآنِ کریم کے الفاظ و معانی و مطالب ناقابلِ فہم عام نہیں ہیں، لیکن باوجود اس کے تشریح اور تفسیر کی بھی شدید ضرورت ہے، عامۃ الناس الفاظ قرآنِ کریم کے معانی ضرور سمجھ سکتے ہیں، لیکن ان معانی کے لئے بھی معانی ہیں جن کا سمجھنا بذریعہ تشریح الٰہی (جو بتوسط رسول ہوا کرتی ہے) ہوسکتا ہے اُس کے بغیر ناممکن ہے، اس لئے حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم اگر اس کی تفسیر نہ فرماتے، تو یقیناً قرآن مجید کی رُوحانیت اور قوانین الٰہیہ کی منشاء الٰہیہ پر پردے پڑے رہتے۔

چنانچہ احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی ایک شرح ہیں، جو ہم کو خداوندی مطالب کا پتہ بتاتی ہیں جو بغیر احادیث کے ہماری سمجھ میں آنا ناممکن تھا۔

اگر حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کو صرف ناقلِ وحی سمجھ لیا جائے تو درحقیقت یہ شانِ نبوت کی سخت توہین ہے، کیونکہ ایسی صورت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال بالکل اُس آلہ کی ہوگی جو آواز یا کلام کو ایک طرف سے دوسری طرف منتقل کردے، جس میں نہ خود احساس ہو، نہ زندگی کے آثار، اور ایسی صورت میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم و دیگر انبیاء کو جو مصائب و تکالیف اُٹھانا پڑیں، اُن کی کوئی وجہ ہی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ کیوں کہ اگر ایک شخص ٹیلیفون پر کسی دوسرے شخص سے گفتگو کرے، اور اس گفتگو میں ایک دوسرے کے سامنے ایسے اُمور پیش کرے جو دوسرے کے نفس کو کسی طرح گوارا نہ ہوں، بلکہ اشتعال انگیز ہوں، تو ایسی صورت میں مشتعل شخص ٹیلیفون کے آلے یا اُس کے تاروں پر حملہ کرکے اُن کو توڑنے کچل دینے کی کوشش نہیں کرے گا، اور نہ ہی اس آلہ وغیرہ کی تخریب و تباہی سے اس شخص کو کوئی فائدہ حاصل ہوگا۔

لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو براہ راست طرح طرح کی تکالیف پہونچائی گئیں، اور ہر زمانے میں مخالفین نے صرف ایذا رسانی ہی پر کفایت نہ کی بلکہ قتل و غارت تک نوبت پہونچی۔ یہ صرف اس لئے کہ عالم نے رسولوں کو معمارِ شریعت تصور کیا، اور کسی نے بھی اُن مقدس ہستیوں کو محض آلہ تصور نہ کیا۔

اِس سے یہ امر بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت محض وحی کو اِدھر سے اُدھر منتقل کرنے کی ہی نہ تھی، بلکہ آپ کو دنیا کی اصلاح، اور ایک جدید تمدن الٰہیہ قائم کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا، جس کے لئے حضور انور کے

ارشادات و اعمال کا دُنیا کے سامنے آنا ضروری اور لازمی امر تھا۔

چنانچہ اسلامی تمدن جس نے مشرق، مغرب، جنوب و شمال کے کروڑوں اِنسانوں کے قلوب کو اپنی طرف کھینچ لیا، پُورا پُورا پتہ ملتا ہے، اِنسانیت اور عبودیت کے تنزّل و ترقی کے تمام اسباب کا ایک مبصر احادیث کے دفتر میں، اچھی طرح پتہ لگا سکتا ہے۔

قوموں کے تنزّل کے اسباب علیحدہ بیان فرما دیے گئے ہیں، اور ترقی کے سامان علیحدہ۔ تھوڑے سے غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جتنی قومیں عروج کو پہونچیں، اور جن کا نام صفحۂ ہستی سے مٹ گیا، ان دونوں کے وہی اسباب تھے جو حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم نے بالتفصیل بیان فرمائے ہیں، اور جن کا تذکرہ قرآن مجید نے اپنے طرز میں بیان فرمایا، اور حضور انورؐ نے بشکل گفتگوئے اِنسانی اِس کی وضاحت فرما دی۔

یہ حضورؐ کے ارشادات ہی کا طفیل ہے کہ جس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ انسان کیونکر اِنسانیت کے اِنتہائی مدارج پر پہونچتا ہے؟ اُس میں اولوالعزمی اور اخلاقی جرأت کیونکر پیدا ہو سکتی ہے؟ طاقت و محبت کسے کہتے ہیں؟ عبادات اور معاملات کا باہم کیا تعلق ہے؟ قومی زندگی، اور انسانی زندگی میں کیا فرق ہے؟ تعلیم اور تربیت کس طرز پر اور کس طرح کی ہو؟ بچوں، بُوڑھوں، جوانوں، رشتہ داروں، بزرگوں، دوستوں سے ارتباط، اور اُن کے باہمی اُتار، چڑھاؤ، دشمنوں سے بہترین سلوک کرنے کے بہترین نتائج، جس طرح کہ آپؐ کے ذخیرہ اَحادیث میں موجود ہیں، آج تک دُنیا اِس درجہ میں پیش نہ کر سکی، اور نہ انشاءاللہ پیش کر سکے گی۔

تدوینِ احادیث

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قول فعل۔ تقریر، کا نام حدیث ہے، اور جو بذریعہ جبرئیل علیہ السلام جلی طور پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، وہ قرآن مجید ہے، جس وحی کے الفاظ اور معانی ومطالب دونوں بذریعہ فرشتہ علی الاعلان والظہور نازل ہوا، اس کو وحی جلی اور وحی متلو کہتے ہیں، اور یہی قرآنِ کریم ہے۔

اور جس وحی کے صرف معانی ومطالب رسول ص کے قلب پر نازل ہوں، یا بذریعہ فرشتہ کے سرا پہونچائے جائیں اور الفاظ خود نبی صلعم کے اپنے ہوں، اُس کو حدیث اور وحی خفی و وحی غیر متلو کہتے ہیں۔

رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ابتدائے نبوت اور اسلام کی ابتدائِ اشاعت کے موقع پر قرآن کریم کا نزول متواتر ہو رہا تھا، قرآنِ کریم کی حفاظت جتنی زیادہ اہم تھی، کوئی دوسری چیز اتنی اہم نہ تھی۔ چنانچہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس قرآن کریم کی آیات کو بڑے اہتمام کے ساتھ لکھا دیا کرتے، اور اس سلسلہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رض میں سے حضرت زید رض کاتبانِ وحی میں مشہور اور معروف صحابی ہیں، اور اسی کلام اللہ کی حفاظت کے پیش نظر آں حضرت صلعم نے کتابتِ حدیث کو روک دیا تھا، تاکہ ایسا نہ ہو کہ قرآن کریم کی آیات کے ساتھ احادیثِ نبوی ص کے الفاظ خلط ملط ہو جائیں۔ لیکن اس کے باوجود بعض صحابہ رض نے احادیث کی کتابت کا کام انجام دے لیا تھا۔ لیکن وہ مخصوص طور پر ان حضرات کے ہاتھوں میں محفوظ طریقے پر رکھا ہوا تھا، اور اس کی عام اشاعت نہیں کی تھی۔

چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے احادیث کا ذخیرہ بشکلِ کتابت جمع کیا تھا، جس کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی، اِس مجموعہ کا نام صادقہ رکھا تھا۔ (اصابہ، طبقات ابن سعد، ابوداؤد)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی کچھ احادیث، دیت کے متعلق جمع کی تھیں، جو آپ کی تلوار کے میان میں رہا کرتی تھیں۔ (ابوداؤد، کتاب الحدود)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کچھ احادیث جمع کی تھیں۔ (بخاری تدریب الراوی)۔

فتح مکہ کے بعد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ فرمایا تھا، ابوشاہ یمنی صحابی نے اُس کی کتابت کی خواہش ظاہر کی، حضور اکرم صلعم نے ارشاد فرمایا "اکتبوا لابی شاہ" ابوشاہ کے لئے لکھ دو۔ (ابوداؤد، کتاب المناسک، بخاری کتاب العلم)

ابوبکر بن حزم رضی اللہ عنہ نے والی بحرین کو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کے احکام تحریر کرا کے ارسال فرمائے تھے۔ جس کو کتاب الصدقہ کہا جاتا ہے۔ اِسی طرح بعض دوسرے احکام کو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ وصدقات کے احکام بصورت تحریر ارسال فرمائے تھے۔ (دار قطنی ومسند احمد بن حنبل رح)

عبداللہ ابن حکیم رضی اللہ عنہ کے پاس حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی لکھائی ہوئی ایک تحریر موجود تھی، جس میں مُردہ

جانوروں کے متعلق احکام تھے۔ (معجم طبرانی)۔
وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ کو حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز، روزہ، ربٰو، شراب وغیرہ کے کچھ ارشادات تحریر کرائے تھے۔ (معجم طبرانی)
دوسری طرف یہی صحابۂ کرامؓ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کے روایت کرنے میں محتاط بھی ایسے ہی تھے جیسے کہ حدیث کے محفوظ کرنے اور ایک دوسرے تک پہونچانے اور حاصل کرنے کے شائق تھے، بلکہ عاشقِ احادیث تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک مرتبہ حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ نے دادی کی میراث کے متعلق حدیث بیان کی، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ گواہ لاؤ، کسی اور نے بھی یہ سنا ہے؟ چنانچہ حضرت محمد ابن مسلمہ نے اس حدیث کی شہادت دی۔ تب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہ حدیث قبول کی۔ (ابوداود)
اسی طرح انہیں صحابیؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اسقاطِ حمل کے واقعہ میں حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان کی، ابو محمد ابن مسلمہ کی تصدیق کے بعد قبول کی گئی۔
ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے، تین بار اجازت طلب کی، اندر سے کوئی جواب نہ ملا، تو واپس چلے آئے، حضرت عمرؓ نے اس کے بعد آپ کو بلا کر واپسی کی وجہ معلوم کی۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ "تین مرتبہ اجازت طلب کرو اس کے بعد اجازت نہ ملے تو واپس چلے آؤ"۔
حضرت عمرؓ نے فرمایا، تمہاری اس حدیث کی شہادت کون دے گا؟ شہادت لاؤ۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اسکی شہادت دی، تب حضرت عمرؓ نے قبول کیا۔ اور حضرت ابوموسیٰؓ نے فرمایا کہ میں نے یہ کام اس وجہ سے نہیں کیا کہ آپ میری نظر میں متہم تھے، اور آپ کی صداقت پر مجھے کوئی شبہ تھا۔ بلکہ صرف اسلئے کہ لوگ جھوٹی روایت کرنے پر دلیر نہ ہو جائیں۔
یہ بیان کرنے کے باوجود حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا "عمرؓ! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی جان پر وبال نہ بنو"۔ (ابوداؤد)
اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حدیث کی روایت میں احتیاط کرنے کی ایک اور وجہ بھی بیان کی ہے، فرمایا۔
"اِنَّکُمْ لَتُحَدِّثُوْنَ عَنْ غَیْرِ کَاذِبِیْنَ وَلَا مُکَذَّبِیْنَ وَلٰکِنَّ السَّمْعَ یُخْطِیُ" یعنی نہ تم جھوٹے ہو، نہ جھوٹوں سے نقل کرتے ہو، لیکن کبھی کان غلطی کر جاتے ہیں"۔ (مسلم)
ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی ایک حدیث عذاب قبر کے متعلق سنکر حضرت عائشہؓ نے فرمایا:۔ "اَمَا اِنَّہٗ لَمْ یَکْذِبْ وَلٰکِنَّہٗ نَسِیَ اَوْ اَخْطَاَ" انہوں نے جھوٹ نہیں بولا، بلکہ بھول گئے یا غلطی کی"۔ (مسلم)
ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث روایت کی۔ حضرت عائشہؓ نے ایک سال کا وقفہ دے کر پھر اُن سے وہی حدیث دریافت کی، انہوں نے بالکل اسی طرح بیان کی، جس طرح پہلے بیان کی تھی۔ تب حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ "خدا کی قسم! عبداللہ کو فرمانِ رسولؐ یاد رہا"۔ (بخاری)
حضرت فاطمہؓ بنت قیس نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک فیصلہ طلاق کے بعد سکونت وعدت کے سلسلہ میں بیان کیا، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "ہم خدا کی کتاب کو ایسی عورت کے کہنے پر نہیں چھوڑ سکتے، جس کے متعلق ہم کو معلوم نہیں کہ اُس نے یاد رکھا، یا بھول گئی، یا غلط سمجھی"۔ (ابوداؤد)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے جب کوئی حدیث بیان کرتا، تو آپ قسم لیتے۔ (ابوداؤد)

اس طرح کے اور واقعات بکثرت ہیں۔ جب ہم ان دونوں پہلوؤں پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم کو واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام کا حدیث نبوی پر عمل تھا، اور روایت بھی کرتے تھے۔ احادیث کو تحریری شکل میں جمع بھی کیا تھا، اور روایت حدیث میں محتاط بھی تھے، جو حقیقت میں اسلامی سیاست کا مقتضیٰ تھا، اور اُن لوگوں کے حالات کے پیش نظر تھا، جو آئندہ قرون میں آنے والے تھے، جن کے حالات کے متعلق رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن حضرات کے سامنے پیشین گوئیاں فرمائی تھیں۔

ایک طرف خلفائے راشدینؓ و اکابر صحابہؓ کے پیش نظر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان تھا:۔ "بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً" مجھ سے پہنچا دو اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔ اور دوسری طرف یہ فرمان بھی سامنے تھا:" مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ" جو شخص مجھ پر عمداً جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے"

آج نفس پرست صرف ایک ایسے پہلو کو عامۃ الناس کے سامنے پیش کرتے ہیں، جو حضرات صحابۂ کرامؓ کی احتیاط پر مبنی تھا، اور انہیں واقعات کو صرف نقل کر دیتے ہیں۔ چونکہ عامۃ الناس ذہن پر وسعت نظری سے محروم ہیں، اسلئے اُن لوگوں کو اپنے مقصد میں کامیابی ہوتی ہے۔

حالانکہ احادیث کے ناقابلِ اعتبار ہونے میں گذشتہ مذکورہ واقعات کو نقل کرنا بھی بذریعہ روایت حدیث ہے۔ یہ واقعات بھی احادیث ہی میں منقول ہیں، گویا ردِّ حدیث بالحدیث ہو رہا ہے۔

اس ذیل میں یہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے، کہ صحابۂ کرامؓ کا روایت بالحدیث کے متعلق جو شغف اور عشق تھا، اس کے کچھ واقعات بھی ہدیۂ ناظرین کر دئے جائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ سے چند میل کے فاصلہ پر مقام عوالی میں رہا کرتے تھے، اسلئے ضروریاتِ زندگی کے تحت روزانہ حضور انور صلعم کی خدمت مبارک میں حاضر نہ ہو سکتے تھے، اُنہوں نے حضور اکرم صلعم کے روزانہ اقوال و افعال پر اطلاع حاصل کرنے کی یہ ترکیب کی تھی، کہ ایک دن خود حاضر دربار ہوتے، اور ایک دن ہمسایہ حضرت عتبان ابن مالکؓ کو بھیج دیتے، وہ جو کچھ سُنتے، اور دیکھتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کر دیتے۔ (بخاری، کتاب العلم)

ایک صحابی ایک روز نماز ادا کر رہے تھے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن سے کچھ فرمایا، جس کو دوسرے لوگ نہ سُن سکے، جب وہ حضورؐ کی خدمت سے واپس ہوئے، تو دیگر صحابہؓ نے اُن کو چاروں طرف سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک معلوم کرنے کے لئے گھیر لیا۔ (ابن ماجہ)

قصاص کے سلسلہ میں حضرت فضالہ ابن عبیدؓ کو حدیث معلوم تھی، جب حضرت جابر ابن عبداللہؓ کو معلوم ہوا کہ فضالہ قصاص کے متعلق حدیث کے عالم ہیں، تو سینکڑوں کوس کا سفر کر کے مصر پہونچے، اور حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ سے حدیث سُنی۔ (ابوداؤد، کتاب الترجل حسن المحاضرہ)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرتے، حضور انورؐ اُن کو ہر واقعہ کا جواب مرحمت فرماتے۔

ایک مرتبہ حضور صلعم نے فرمایا کہ" ابوہریرہ! تم حدیث کے معلوم کرنے پر بڑے حریص ہو"۔ بخاری)

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی خالہ تھیں۔ حضرت ابن عباس رضؓ اکثر شب کو صرف اسلئے اُن کے یہاں رہا کرتے کہ حضور صلعم کی عبادت شب کی کیفیت معلوم کریں۔ (ابوداؤد وغیرہ)

اقوال و افعال تو بڑی چیز ہیں، صحابۂ کرامؓ نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حرکات و سکنات، اشارات تک کو بھی بڑی جانفشانی و شغف قلبی کے ساتھ محفوظ کیا۔

حضرت اغر مزنیؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایک مرتبہ شمار کیا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مجلس میں سو مرتبہ استغفار کیا۔ (ابوداؤد)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رات کو تین حصوں پر تقسیم کیا تھا، ایک تہائی میں عبادت کرتے، ایک تہائی میں آرام کرتے، اور ایک تہائی شب میں حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث یاد کرتے۔ (مسند دارمی)

یہ وہ واقعات ہیں جن کا انکار کرنا ایسا ہی دشوار ہے، جیسا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود ذی مسعود سے۔

ابتداء مضمون میں یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ احادیث نبویؐ کا سلسلہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں بھی تحریری شکل میں آچکا تھا، اور بعض ابحاث کے متعلق صحابۂ کرام کے پاس صحیفے موجود تھے، البتہ کتاب کی شکل اور تفصیل ابواب و فصول کا طریقہ اختیار نہیں کیا گیا تھا۔ اور اس تحریری ذخیرے کی اشاعت قرون مابعد کی طرح عمل میں نہیں لائی گئی تھی۔ جس کی ایک وجہ تو وہی ہے جو اوپر ذکر کردی گئی، کہ حضور انورؐ نے قرآن کریم کی کتابت کی طرح احادیث کی تدوین سے صرف اسلئے منع فرمایا تھا، کہ قرآن کریم میں خلط واقع نہ ہو۔ دوسرے یہ بھی کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کا اُن لوگوں میں موجود ہونا اُن کے لئے کافی تھا۔ اور تدوینِ حدیث کی طرف اتنی توجہ کی ضرورت نہ تھی۔ یہ ایک نفسیاتی چیز ہے، کہ جب تک ایک برگزیدہ ہستی دُنیا میں بقیدِ حیات ہوتی ہے تو اُسکے اقوال و افعال کے ضبطِ تحریر میں لانے کی چنداں ضرورت محسوس نہیں ہوتی، اور معتقدین کی توجہ اُس کی سیرت کی تحریری تدوین و ضبط کی طرف نہیں ہوا کرتی، کیوں کہ اُس کا ہستی متنظر پیش نظر ہوتا ہے۔ اگر بنظرِ غائر و انصاف دیکھا جائے تو اُس ہستی کا وجود ہی اِس امر سے مانع ہوتا ہے، کہ اُس کے اقوال اور افعال وغیرہ کی تدوین کی جائے۔ یہ ایک قدرتی امر ہے۔

چنانچہ مابعد کے زمانے میں بزرگانِ دین کے حالات اور اقوال بھی اُسی وقت ضبطِ تحریر میں آئے، جبکہ وہ دُنیا سے رُوپوش ہوگئے، زندگی میں خود انسان کا وجود ہی اُس کی یادگار ہوتا ہے، اِسلئے کسی دوسری یادگار کی ضرورت نہیں رہتی۔ اتباع کے لئے خود اُس کی موجودہ ہستی بجسّ ظاہری سامنے ہوتی ہے، اِسلئے اقوال و افعال، اعمال کو تحریر میں تدوین میں لاکر اتباع کرنے کا تصوّر ہی نہیں پیدا ہوتا ÷ ÷

حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے۔ "خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔" (ترجمہ) "تمام زمانوں میں میرا زمانہ بہترین ہے، پھر اُسکے بعد والے، پھر اُسکے بعد والے)، اس طرح تین صدیوں کو خیر القرون کہتے ہیں، سلف صالحین نے قرن اوّل (پہلی صدی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سنہ ۱۱۰ھ تک مقرر کی ہے، اور قرن دوم (دوسری صدی) ۱۱۱ھ سے سنہ ۱۷۰ھ تک۔ تیسری صدی سنہ ۱۷۱ھ سے سنہ ۲۲۰ھ تک ہے،

پہلی صدی عہدِ رسالتؐ و عہدِ صحابہؓ کہلاتی ہے۔

دوسری صدی عہدِ تابعین ہے۔ تیسری صدی عہدِ تبع تابعین ہے۔ قرن ثالث کے متعلق اگرچہ اختلاف ہے شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلی رحمۃ اللہ علیہ نے قرن ثالث کی مدت سنہ ۲۶۰ھ تک بیان کی ہے۔ لیکن اگر متفق علیہ چیز کو لیا جائے تو سنہ ۲۲۰ھ قرن ثالث ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ علوم شرعیہ کی تدوین و تکمیل جو کچھ ہوئی ہے، وہ قرون ثلاثہ ہی کے حاملانِ دین کی کوششوں کا نتیجہ ہے، ان ہی قرون کے بزرگوں کو "سلف صالحین" کہا جاتا ہے۔ انہیں کے افعال و اقوال و اعمال لائقِ حجت سمجھے گئے ہیں۔ کیوں کہ قرون ثلاثہ کے بعد کے لئے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:۔ "ثم یفشوا الکذب۔" (پھر جھوٹ پھیل جائے گا)۔

چنانچہ قرن اوّل کے دو حصے ہیں۔ ایک وہ جس میں خود حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک دنیا میں رونق افروز تھی۔ اس حصہ میں احادیث کا معرضِ تحریر میں ہونا سابق میں بیان کیا جا چکا ہے، اور یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ یہ ذخیرہ خواہ موجودہ کتب کی صورت میں نہ سہی۔ لیکن خاص خاص مسئلوں کی صورت میں اور صحیفہ کی شان سے موجود تھا۔ دوسرا حصہ بعد وفات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے، جو آخر صدی (قرن اوّل ہے) اور زمانہ خلافت راشدہ ہے۔ اس زمانہ میں احادیث کا چرچا ان کی روایت پہلے حصہ کی نسبت سے زیادہ ہو گئی تھی۔ اور تدوین

شکل میں کسی قدر آگیا تھا۔

چنانچہ مؤطا امام مالکؒ، مالک بن انسؓ کی تصنیف ہے، امام صاحب سنہ ۱۳۰ھ سے سنہ ۱۴۰ھ تک اسکی تصنیف میں مشغول رہکر، سنہ ۱۴۰ھ ہجری میں فارغ ہو گئے تھے۔ لہٰذا یہ کہدینا کہ تدوینِ حدیث سنہ ۲۰۰ھ کے بعد ہوئی، بالکل غلط ہے، امام صاحبؒ نے ایک لاکھ احادیث سے اِنتخاب کے بعد اِس کتاب کو مُرتّب کیا۔ مؤطا میں (۶۰۰) چھ سو حدیثیں صحیح مسند ہیں، (۲۲۲) دو سو بائیس مرسل، باقی موقوف ہیں۔ اور دو سو پچاسی (۲۸۵) اقوالِ تابعین (یعنی فتاوے) ہیں۔ اِس کے بعد قرن ثانی۔

سنہ ۲۰۰ھ سے قبل سنہ ۱۸۱ھ میں ابن ابی الدنیا نے کتاب الدعا، مرتّب کی۔ اِسی طرح کتاب الخراج، مصنّفہ امام ابویوسفؒ۔ مسند موسیٰ کاظم ابن امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ۔ مؤطا امام محمد وغیرہ کتب ہیں۔

قرنِ ثالث میں جو کُتب حدیث مدوّن ہوئیں وہ آجتک ہمارے اندر موجود ہیں، اور اُنہیں سے آج تک تمام عالمِ اسلام مستفیض ہو رہا ہے۔ چنانچہ ابو عثمان سعید بن منصور (المتوفی سنہ ۲۲۹ھ) نے "سنن سعید ابن منصور" تصنیف کی، اِس کتاب میں ثُلاثیات[۱] بکثرت ہیں۔

طبقات ابن سعد، اسی قرن کی تصنیف ہے، جو اسماء رجال میں ہے۔

مسند امام احمد ابن حنبلؒ۔ اِس کتاب میں سات سو صحابہؓ کی احادیث مروی ہیں، تیس ہزار حدیثیں ہیں، یہ ساڑھے سات لاکھ حدیثوں کا انتخاب ہے۔

مسند عبد ابن حمید بھی اِسی قرن کی تالیف ہے، اگرچہ غیر مطبوعہ ہے۔

اِسی قرن میں "صحیح بُخاری شریف" وجود میں آئی ؞

---

[۱] ثلاثیات، اُن احادیث کو کہتے ہیں، جہاں آخر راوی اور حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان تین واسطے ہوں ۱۲ منہ رحمہ اللہ

اقسامِ حدیث

سب سے پہلے حدیث نبوی کی دو[2] قسمیں مقرر کی گئی ہیں:۔ مقبول و مردود۔

(۱) مقبول، وہ حدیث ہے جسکو باعتبار روایت و درایت ائمہ نے قابل حجت قرار دیا ہو۔

(۲) مردود، وہ حدیث ہے جسکو ائمہ نے باعتبار روایت و درایت ناقابلِ حجت ٹھیرایا ہو۔

خبر مردود، چونکہ قابلِ حجت نہیں، اسلئے اُس کے دیگر اقسام سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف حدیث مقبول کے اقسام بیان کر دینا مناسب ہوگا۔ اگرچہ اقسام حدیث مردود میں بھی نکل سکتے ہیں. چنانچہ حدیث مقبول کی پھر تین[3] قسمیں ہیں:۔ قولی۔ فعلی۔ تقریری۔

(الف) قولی، وہ حدیث جو صحابی قولِ رسول کی شکل میں اس طرح بیان کرے کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا۔

(ب) فعلی، وہ حدیث کہ صحابی نقل کرے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے اس طرح کیا۔

(ج) تقریری، وہ حدیث جس میں صحابی یہ بیان کرے کہ میں نے یا فلاں شخص نے حضور کے سامنے ایسا ایسا کیا، اور حضور صلعم نے منع نہیں فرمایا۔

خلاصہ یہ کہ جس حدیث میں قولِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نقل کیا گیا ہو وہ قولی ہے، اور جس میں آپ کے فعل کو نقل کیا گیا ہو، وہ فعلی ہے، اور جس میں کسی صحابی کے کسی فعل کا حضور نے انکار نہ فرمایا ہو، وہ تقریری ہے

پھر ان تینوں قولی، فعلی، تقریری کی دو دو[2] قسمیں ہیں:۔ صریحی۔ حکمی۔

(۱) صریحی، جس حدیث میں صاف صاف لفظوں میں یہ کہہ دیا گیا ہو، کہ یہ حضور نے فرمایا ہے، یا کیا ہے یا فلاں کے فعل کا انکار نہیں کیا۔

(۲) حکمی۔ وہ حدیث ہے کہ جس میں قول و فعل و تقریر کی نسبت صاف طور پر واضح الفاظ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ کی جائے، بلکہ صحابی رسولِ حدیث میں جو امور نقل کر رہا ہے وہ ایسا ہے کہ سوائے رسول اور پیغمبر کے دوسرا نہیں بتا سکتا۔ جیسے احوالِ قیامت یا علاماتِ قیامت، یا واقعاتِ انبیاء، جو قرآنِ کریم سے ملتے جلتے ہیں جن میں ایسی علامات نہ ہوں جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ بنی اسرائیل (یہود) کی کتاب سے لئے گئے ہیں۔

اس کے بعد حدیث کی شہرت اور عدم شہرت کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں:۔ متواتر، احاد۔

(۱) متواتر، وہ حدیث ہے جس کو اتنے آدمی نقل کریں کہ اتنی تعداد کا جھوٹ بولنا محال ہو، اُن کی تعداد میں محدثین کا اختلاف ہے۔

(۲) احاد، وہ حدیث جس کے نقل کرنے والوں کی تعداد متواتر کی تعداد سے کم ہو، اس کو خبر واحد بھی کہتے ہیں۔ ایسی

احادیث کے مقبول ہونے میں یہ شرط ہے کہ اُس کے راوی (نقل کرنے والے) اعلیٰ درجہ کے ثقہ، دیندار، قوی الحافظہ، عابد متقی، بہترین خلائق ہوں۔

احادیث احاد کے راوی چونکہ ابتدائی سلسلہ میں تعداد میں کم ہوتے ہیں، اسی وجہ سے یہ متواتر کے درجہ سے گر جاتی ہے، لہٰذا یہ اگر یہ کمی صرف ابتداء میں ہو، اور اُس کے بعد اُس کے راوی اتنی کثرت سے ہوگئے ہوں کہ جو متواتر کی حد تک پہونچ گئے اور آخر تک اتنی کثرت سے نقل ہوتی رہی، تو اس کو حدیث مشہور کہتے ہیں، یہ احاد کی قسموں میں اعلیٰ درجہ کی حدیث ہے۔ اور اگر ابتداء میں بھی تعداد کم تھی اور آخر تک دو سے زائد نہیں ہوئی تو اُس کو عزیز کہتے ہیں۔ اور اگر کسی حدیث کی سند میں صرف ایک ہی راوی ہے اور وہی راوی تمام طریقۂ اسناد میں لوٹ لوٹ کر آتا ہے، ایسی حدیث کو غریب کہتے ہیں، اور اس کا دوسرا نام "فرد" بھی ہے۔ اِس طرح احاد کی تین قسمیں ہوگئیں۔ مشہور، عزیز، غریب (فرد)۔

حدیث فرد کی بھی دو قسمیں ہیں:۔ فرد مطلق۔ فرد نسبی۔

(۱) صحابی سے نقل کرنے والا صرف ایک ہے تو فرد مطلق کہلائے گا

(۲) صحابی سے نقل کرنے والے زائد ہیں، اُن سے نیچے صرف ایک ہے تو فرد نسبی کہا جائے گا۔

احادیث احاد کی قسم مقبول کی، پھر اور ذیل کی قسمیں بھی ہیں:۔

صحیح۔ حسن۔ صحیح لذاتہ۔ صحیح لغیرہ۔ حسن لذاتہ۔ حسن لغیرہ۔

(۱) صحیح، جس کی سند کے تمام راوی متدین، متشرع، جید الحفظ، ضابط، عادل، ثقہ ہوں، اُس کی سند میں کوئی علت و شذوذ نہ ہو۔ سند متصل (مسلسل) ہو۔

(۲) حسن، صحیح کی طرح اس کے راوی بھی ہوں، صرف صفتِ ضبط میں اُس سے کمزور ہوں۔

(۳) صحیح لذاتہ۔ جس کے راوی اعلیٰ درجے کے ہوں اور جو معلل و شاذ نہ ہو۔

(۴) صحیح لغیرہ، جس کے راوی صحیح لذاتہ سے کچھ کم درجے کے ہوں، سند متصل ہو شاذ نہ ہو۔

(۵) حسن لذاتہ، جس کے راوی صحیح کی دونوں قسموں سے صفتِ ضبط میں کم درجہ کے ہوں۔

(۶) حسن لغیرہ، جس کے راوی حسن لذاتہ سے کم درجے کے ہوں، مگر متعدد سندوں سے منقول ہوں۔

(۷) اگر کوئی ثقہ راوی کسی ایسے راوی کے خلاف مضمون کی روایت کرے جو اس راوی سے درجہ میں بلند ہے، تو اس راوی کی حدیث کو شاذ کہا جاتا ہے، اور اس علت کا نام شذوذ ہے، اور اُس کے مقابل راوی کی حدیث کو محفوظ کہیں گے۔

اس لحاظ سے مزید دو قسمیں ہوئیں۔ شاذ، محفوظ۔

اِسی طرح حدیث احاد میں ذیل کے مختلف اقسام، مختلف اعتبار سے مقرر کئے گئے ہیں:۔

منکر، معروف۔ متابع۔ شاہد۔ محکم۔ مختلف الحدیث۔ ناسخ و منسوخ۔ متوقف فیہ۔

(۱) منکر، کوئی ضعیف راوی کسی قوی اور اعلیٰ راوی کے خلاف نقل کرے۔

(۲) معروف، مقابل قوی راوی کی حدیث۔

(۳) فرد حدیث کے راوی، جس کے متعلق گمان تھا کہ اسکی روایت صرف اُسی نے کی ہے، اُس کا کوئی دوسرا موافق ملجائے تو اس حدیث کو متابع کہتے ہیں۔

(۴) شاہد: اگر کسی صحابی کی روایت کے لئے کوئی اور حدیث ایسی دوسرے راوی صحابی سے مل جائے جو پہلے صحابی کی تائید کرتی ہو، تو اُس کو شاہد کہتے ہیں۔

(۵) محکم، جس حدیث مقبول کے کوئی حدیث معارض نہ ہو۔

(۶) مختلف الحدیث، اگر کسی مقبول حدیث کے مخالف دوسری مقبول حدیث آگئی۔ لیکن غور وفکر کے بعد دونوں میں تطابق ہو جاتا ہے، یہ مختلف الحدیث، کہلائے گا۔

(۷) ناسخ ومنسوخ، ایک مقبول حدیث کے مقابلے میں دوسری مقبول حدیث آگئی، اور دونوں میں مطابقت ممکن نہ ہوسکی، تو جو حدیث مقدم ہوگی، وہ منسوخ، اور جو مؤخر ہوگی وہ ناسخ کہلائے گی۔ بشرطیکہ قوت اور ضعف راویان کا درجہ ایک ہو۔

(۸) متوقف فیہ۔ جن دو حدیثوں میں تعارض ہو، اور دونوں کے درمیان مطابقت دینا ممکن نہ ہو، اور شان نزول کے اعتبار سے بھی اُن دونوں میں سے کسی کو ناسخ اور کسی کو منسوخ نہ بنا سکیں، تو دونوں پر عمل کرنے میں توقف کیا جائے گا۔

حدیث کے مردود ہونے کی دو وجہیں ہوتی ہیں۔ اوّل یہ کہ اُس حدیث کی سند سے متعدد راوی ساقط ہوں۔ دوم یہ کہ کوئی راوی دیانت وضبط کے لحاظ سے بہت مجروح ہو۔

پہلے لحاظ سے مردود کی چار قسمیں ہیں:۔ معلق۔ مرسل۔ معضل۔ منقطع۔

معلق۔ وہ حدیث مردود ہے جس کی ابتداء سند سے ایک یا متعدد راوی ساقط کردیئے گئے ہوں، یا اُس کی کل سند چھوڑ دی گئی ہو، یا بیان کرنے والا، اپنے استاذ کو چھوڑ کر اپنے اُستاذ کے استاذ سے نقل کرنا شروع کردے۔

مرسل۔ تابعی اگر اپنے اوپر کے راوی کو ساقط کردے، تو ایسی حدیث کو مرسل، کہتے ہیں۔

معضل۔ جس حدیث کی سند سے متواتر دو راوی یکے بعد دیگرے ساقط ہوں۔

منقطع۔ جس حدیث کی سند سے ایک یا کئی راوی مختلف مقامات سے ساقط ہوں ٭

حدیث کے راویوں کے حالات کے لحاظ سے

حدیث کے حسب ذیل اقسام ہیں:۔

موضوع۔ جو حدیث من گھڑت ہو، اور اس کی سند میں حدیث بنا بنا کر بیان کرنے والا شخص موجود ہو۔

متروک۔ جس کو جھوٹے شخص نے روایت کیا ہو۔

منکر۔ جس کا راوی غلطیاں بکثرت کرتا ہو۔

معلل۔ جس حدیث کی سند میں ایسے نقائص موجود ہوں کہ جو حدیث کی صحت میں خلل انداز ہوتے ہیں۔

مدرج۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ مدرج الاسناد۔ مدرج المتن۔

مدرج الاسناد، جس کی سند میں تغیر وتبدل کردیا گیا ہو۔

مدرج المتن متن حدیث (اصل عبارت حدیث) میں صحابی یا تابعی کا قول ملا دیا گیا ہو۔

مقلوب۔ جس حدیث میں راوی مقدم اور مؤخر ہوگئے ہوں، یا حدیث کے الفاظ مقدم مؤخر ہوگئے ہوں۔

مضطرب۔ حدیث کے راوی میں ایسی تبدیلی (گڑبڑ) کردی گئی ہو کہ ایک روایت کو دوسری پر ترجیح دینا ممکن نہ ہو، یا راوی کو حدیث کے راویوں کا سلسلہ صحیح یاد نہ رہا ہو، یا متنِ حدیث کے الفاظ مسلسل یاد نہ رہے ہوں

مصحف یا محرّف۔ راویوں کے اسماء جن کی خطی صورت یکساں ہے صرف نقاط وغیرہ سے فرق ہوتا ہے اُس میں تغیّر کردیا گیا، مثلاً شریح کو سریج نقل کردیا۔

مبہم۔ جس کے راوی کا نام بیان نہ کیا گیا ہو۔

مستور۔ جس حدیث کو ایسے راوی نے روایت کیا ہو کہ جس کا حافظہ خراب ہوگیا ہو، اور یہ پتہ نہ چل سکے کہ یہ حدیث اُس کے کونسے زمانہ کی ہے؟ اُس زمانہ کی کہ جب اُس کا حافظہ صحیح تھا، یا اُس زمانہ کی کہ جب اُس کا حافظہ خراب ہوگیا۔

شاذ۔ جس کا راوی ہمیشہ بدحافظہ رہا ہو۔

مختلط۔ جس کے راوی کو بھول اور غلطی کا مرض لاحق ہو گیا ہو۔

ضعیف۔ جس کے راویوں میں کوئی راوی کم فہم، ناسمجھ ہو، حافظہ کا کمزور ہو۔

حدیث مقبول بلحاظِ اسناد

جو احادیث مقبول ہوتی ہیں، اُن کے مراتب باعتبار سند کے حسب ذیل مقرر کیے گئے ہیں:۔

مرفوع۔ جس حدیث کی سند مسلسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک عادل اور ثقہ راویوں سے پہونچی ہو۔

موقوف۔ جس میں تابعی صرف صحابی کے قول یا فعل کو روایت کرے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک نہ پہونچائے۔

مقطوع۔ جس میں راوی تابعی کے کسی قول یا فعل کو نقل کرے۔

مسند۔ وہ مرفوع حدیث جو صحابی ظاہری طور پر حضور صلعم کی طرف نسبت کردے۔

متصل۔ جس کی سند سے کوئی راوی کسی جگہ ساقط نہ ہو۔

بعض خاص اصطلاحیں ائمہ حدیث نے اپنے لئے مخصوص کر رکھی ہیں، جو عام محدثین میں مروّج نہ تھیں، مثلاً ایک حدیث کے متعلق فرمادیتے ہیں، حسن غریب، حسن صحیح، اس کے یہ مطلب ہوتے ہیں کہ یہ ایسی دو سندوں سے منقول ہے کہ ایک سند کے لحاظ سے حسن ہے، ایک کے لحاظ سے غریب۔ علیٰ ھٰذا۔

کہیں فرماتے ہیں، متفق علیہ۔ اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ بخاری اور مسلم دونوں اِس حدیث پر روایت کرنے میں متفق ہیں۔

جس حدیث کی روایت حضور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کی طرف نسبت فرماویں، وہ حدیث حدیثِ قدسی کہی جاتی ہے۔

یہ ہیں :۔

سلف کے وہ کارہائے بے پایاں جو مصداق ہیں "اَلَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا" کے

اِنہیں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی یہ وہ تلاش، اور جستجو ہے، جس نے ہم جیسے نادار و کم مایہ افراد کو تمام علمی کاوشوں سے بے نیاز کردیا، اور حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات (فرمان احادیث) صحیح و ضعیف و موضوع و مدلس و مقبول و مردود جیسے اقسام علیحدہ علیحدہ کر کے اُمتِ مرحومہ مابعد کے لئے ایک ناقابلِ فراموش کارنامہ چھوڑ دیا۔

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ احادیث کے سلسلہ میں قرونِ اولیٰ میں جتنی کتب مدوّن ہوئیں اُن میں بھی درجات، اور طبقات مقرر فرما کر تلاش کے بارِ عظیم کو سہل سے سہل تر بنا کر چھوڑا۔

چنانچہ پہلے طبقہ میں مؤطا امام مالکؒ، صحیح بخاری، صحیح مسلم، جیسی کتابیں ہیں جن پر علماء کا شرقاً و غرباً اتفاق ہے کہ اُن کی تمام احادیث صحیح ہیں۔

طبقہ دوم میں سنن ابوداؤد۔ جامع ترمذی۔ سنن نسائی وغیرہ ہیں، جو قبولیت کے لحاظ سے طبقہ اوّل کے نمبر دوم میں شمار کی جاتی ہیں۔

طبقہ سوم میں وہ تمام دیگر کتب ہیں، جن میں صرف احادیث صحیحہ کے جمع کرنے کا التزام نہیں کیا گیا ہے، اور اُن میں مقبول و غیر مقبول ہر قسم کی حدیثیں جمع کردی گئی ہیں، اُن میں تمیز دینا ایسے ہی حضرات کا کام ہے جو عُلومِ متعلقہ احادیث پر پُورا پُورا عبور رکھتے ہیں ؛ وللہ الحمد وعلیٰ رسولہ الصلوٰۃ والسلام ؛

شیخ الاسلام امام بخاریؒ

آپ کا شجرۂ نسب یہ ہے: محمدؒ ابن اسمٰعیل ابن ابراہیم ابن مغیرہ ابن بردزبہ البخاری الجعفی، امام بخاری کے جدِ اعلیٰ بردزبہ مذہباً مجوسی تھے، مجوسیت پر ہی اُن کا انتقال ہوا، اُن کے لڑکے مغیرہ یمان جعفی کے ہاتھ پر ایمان لائے، اسی وجہ سے اُن کو مغیرہ جعفی کہا جانے لگا۔ کیوں کہ عرب کا یہ دستور تھا کہ جس کے ذریعہ مسلمان ہوتے، اُس سے ایک خاص تعلق کا اظہار کرنے کے لئے اُس کی اپنے شجرے میں نسبت کیا کرتے۔

نمازِ جمعہ کے بعد ۱۳ شوال ۱۹۴ھ میں آپ کی بخارا میں ولادت ہوئی، ابھی آپ نے دُنیا میں اچھی طرح آنکھ نہ کھولی تھی کہ بصارت جاتی رہی، آپ نابینا ہو گئے، جس سے آپ کے والد کو بڑا صدمہ ہوا۔ بارگاہِ ایزدی میں ان کی والدہ نے رو رو کر، عجز و انکساری سے دُعائیں مانگیں، آخر ماں تھیں، ان کی دُعا جو ایک دردمند دِل کی دُعا تھی، قبول ہوئی۔ اور شب میں حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھا، فرما رہے ہیں کہ جا! تیری دُعا قبول ہوگئی، اور اللہ تعالےٰ نے تیرے فرزند کو نورِ بصر مرحمت فرما دیا۔ صبح کو اُٹھیں تو دیکھا کہ پروردگار نے بیٹے کی آنکھوں کی بینائی واپس فرما دی ہے۔

خطیب بغدادیؒ نے امام بخاریؒ کے طلبِ حدیث کے واقعات خود ان کی اپنی زبانی اس طرح نقل کئے ہیں کہ "مجھے اللہ تعالےٰ نے حفظِ حدیث ہی کے لئے بنایا تھا، ابھی میری عمر صرف دس سال کی تھی، کہ میں محدثِ زمانہ "داخلی" کے حلقہ میں شریکِ درس ہونے لگا تھا۔ ایک دن اُن کی زبان سے یہ سند نکلی "سُفیان عَن ابی الزُّبیرعَن ابراھیم" میں نے فوراً ٹوکا، اور عرض کیا کہ ابوالزبیر تو ابراہیم سے روایت نہیں کرتے ہیں۔ داخلی نے مجھے ڈانٹ دیا۔ میں نے پھر عرض کیا کہ براہِ کرم آپ اپنی اصل کتاب کی طرف ایک مرتبہ

ضرور توجہ فرمائیں۔ انہوں نے اس اصرار پر اصل کتاب جاکر ملاحظہ کی، اور واپس آکر فرمایا، کیوں میاں صاجزادے پھر آخر یہ سند کس طرح ہے؟ میں نے کہا، ابراہیم سے روایت کرنے والے زبیر ہیں۔ لیکن یہ عدی کے فرزند ہیں ابوالزبیر نہیں ہیں۔ داخلی نے اسی وقت قلم لیکر اپنے نسخے کی اصلاح کرلی، اور فرمایا" جو تم نے کہا، وہی درست تھا" اُس وقت امام بخاریؒ کی عمر دس سال کی ہوکر گیارہ سال کی ابتداء میں سے گذر رہی تھی۔ جب ان کی عمر ۱۶ سال کی ہوگئی، تو آپ نے عبداللہ ابن مبارک اور امام وکیع کی جمع کی ہوئی حدیثیں حفظ کرلی تھیں۔ اور اٹھارہ سال کی عمر میں ایک تصنیف شروع کی، جس میں صحابہؓ و تابعینؒ کے فیصلے اور مختلف اقوال تھے۔ اس کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کے پاس چاندنی راتوں میں "کتاب التاریخ" کی تصنیف شروع کی۔

حاشد ابن اسمٰعیل فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ مشائخ بلخ کی خدمت میں ہمارے ہمراہ حاضر ہوتے تھے، اُس وقت یہ بھی نوعمر لڑکے تھے۔ اور کسی مجلس میں کچھ نہیں لکھتے تھے۔ ہم لوگ اُن کو ملامت کیا کرتے کہ جب تم کچھ لکھتے نہیں تو خواہ مخواہ درس میں کیوں شریک ہوتے ہو، اور وقت ضائع کرتے ہو؟ تقریباً سولہ یوم گذر گئے اور ہمارا یہی کہنا برابر جاری رہا۔ سترھویں دن بخاریؒ نے پریشان ہوکر فرمایا کہ "تمہاری ملامت کی حد ہوگئی ہے، اچھا! تم لوگوں نے جو کچھ لکھا ہے، لاؤ۔ دیکھیں تم نے کیا لکھا ہے؟" ہم اتنے عرصے میں ۱۵ ہزار حدیثیں لکھ چکے تھے، وہ سب سامنے رکھ دیں۔ امام بخاریؒ نے وہ تمام حدیثیں بانی فرفر سُنا دیں، اور اتنی صحیح کہ ہم کو اپنی تحریریں اُنکی یاد سے دُرست کرنا پڑیں۔

امام بخاریؒ کی اس خُداداد ذکاوت و حفظ کا اِس قدر شہرہ ہوچکا تھا، کہ وہ جہاں جاتے، اُن سے پیشتر اُن کا نام وہاں پہونچا ہوا ہوتا۔ جب امام بخاریؒ کسی مقام پر جاتے، تو مختلف طریقوں سے امام کا امتحان لیا جاتا اور مجلس کے ختم ہونے پر اہلِ مجلس کو یہ کہنا پڑتا کہ امام بخاریؒ کے متعلق ہم نے جو کچھ سُنا وہ اُس سے بہت کم ہے، جو امام میں موجود ہے۔ انکی یہ نوعمری اور یہ بزرگانہ علم دیکھکر دُنیا حیرت میں مبتلا تھی۔

ایک مرتبہ آپ بصرہ تشریف لے گئے، تمام بصرہ میں امام بخاری کا شور و غل مچ گیا۔ بصرہ کے تمام فقہاء و محدثین و مشائخ جمع ہوگئے، اُن علم کے دلدادوں نے فوراً ہی ایک مجلسِ علم منعقد کی، امام کی خدمت

میں حاضر ہو کر اپنی درخواست پیش کی۔ امام ہمام نے فرمایا کہ میں حضرات کے مقابلے میں ابھی نوعمر ہوں، لیکن آپ حضرات ایسی خواہش فرما رہے ہیں جو علم کی بزرگانہ شان کے ساتھ عمر کی حیثیت سے بھی بزرگ ہو، خیر میں آپ حضرات کے استفادے کے لئے وہی حدیثیں بیان کروں گا جو آپ ہی کی مرویات ہیں۔ لیکن طریقہ سند وہ ہوگا جس سے تمہارے طریقہ سند کو تقویت اور تائید حاصل ہوگی۔

چنانچہ آپ نے حدیث "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ" سنائی۔ اور فرمایا کہ اس حدیث کو میں نے آپ حضرات کے سامنے بواسطہ سالم بذریعہ منصور روایت کیا ہے، اور تمہارے شہر میں سالم کے علاوہ دوسرے راویوں سے روایت کی جاتی ہے، اس سے آپ کو یہ نفع ہوا کہ اس حدیث (متن) کی ایک جدید سند حاصل ہوگئی۔ خلاصہ یہ کہ اس مجلس میں بخاریؒ نے تمام ایسی حدیثیں نقل کیں جو اہلِ بصرہ میں اور کسی سند سے مروی تھیں۔

بڑے بڑے شیوخ محدثین نے بخاریؒ کے سامنے ایسے وقت میں تلمذ کا شرف حاصل کیا کہ امام صاحبؒ کے چہرۂ منور پر آثارِ شباب کا ایک خط بھی نمودار نہ ہوا تھا۔

چنانچہ شیخ ابوذرعہ، ابوحاتم، ترمذی، محمد ابن نصر، ابن خزیمہ اور امام مسلم، آپ کے اسی زمانہ کے شاگردوں میں شامل ہیں۔

ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابوذرعہ کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے میں نے بچوں کی طرح علل حدیث دریافت کرتے ہوئے دیکھا۔

امام دارمیؒ (جن کے خود امام بخاریؒ بھی معتقد تھے) فرمایا کرتے "امام بخاریؒ فنِ حدیث میں مجھ سے زیادہ بصیرت رکھتے ہیں، خدا کی مخلوق میں سب سے بڑھ کر عقلمند ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مثل نہیں ہے"۔

محمد ابن ابی حاتم وراق، اور محمد ابن یوسف فربری اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ "ایک رات میں امام بخاریؒ پندرہ پندرہ اور بیس بیس مرتبہ اٹھکر چراغ جلاتے اور حدیث کا مطالعہ کرتے اور پھر سو جاتے۔

اِس کتاب بخاری کی تصنیف کا واقعہ خود امام بخاریؒ سے اِس طرح منقول ہے کہ "ایک روز آپ اسحاق ابن راہویہ کی مجلس میں حاضر تھے کہ امام اسحاقؒ نے فرمایا" کاش! تم میں سے کوئی شخص، حدیث کی کوئی ایسی کتاب مدوّن کرتا جس میں صرف صحیح صحیح حدیثیں ہوتیں " یہ بات سب حاضرینِ مجلس نے سُنی، مگر دل میں اُسی شخص کے گھر کیا، جس کے نصیب میں یہ سعادت لکھی ہوئی تھی، اور امام بخاریؒ کے دل میں اُسی وقت سے ایک خیال پیدا ہوا کہ " یہ کام میں کروں "۔

چنانچہ اس کے بعد ہی امام بخاریؒ نے ایک خواب دیکھا کہ " وہ آنحضرت رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہیں، اور پنکھے سے آنحضرت صلعم کی مکھیاں دُور کر رہے ہیں"۔ صبح کو آپ نے فنِ تعبیر کے ماہرین سے اِس خواب کی تعبیر معلوم کی، تو اُنہوں نے کہا کہ " اس کی تعبیر یہ ہے کہ تم حضور انور صلعم کے کلام سے جھوٹ اور افتراء کی مکھیاں دُور کرو گے، اور صحیح صحیح کلام کو چھانٹ کر علیحدہ کر دو گے "۔ بس اس خواب کے بعد ہی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کمرِ ہمت کس لی، اور ان چھ لاکھ احادیث سے جو آپ کے خزانۂ حافظہ میں موجود تھیں، صحیح بخاری، کی احادیث کا اِنتخاب کیا۔ صرف ذکاوت وحفظ کا زور اس کی تالیف میں صرف نہیں کیا، بلکہ خلوصِ نیت، تقویٰ وطہارت کے آخری مرحلہ بھی طے کر دئے، یعنی جب کوئی حدیث لکھنے بیٹھتے، تو پہلے غُسل فرماتے، اور دو رکعت نماز نفل ادا فرماتے، پھر کتاب میں ایک ایک حدیث درج فرماتے، اِسی طرح جب فقہی وحدیثی اشارات کے لئے تراجم وابواب قائم فرماتے تو یہی عمل فرماتے۔

عبدالقدوس ابن ہمام فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کے تراجم ریاض الجنۃ میں بیٹھکر تحریر کئے۔ یعنی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مُبارک کے قریب منبر کے مقام کے درمیان۔ اس جانکاہی اور ریاضت کے ساتھ سولہ ۱۶ سال کی مدت میں یہ عظیم الشان اور عدیم النظیر کتاب مکمّل ہوئی۔ جس کا لقب باتفاق اولیائے اُمت " اصح الکتب بعد کتاب اللہ " قرار پایا۔

سینکڑوں، ہزاروں بڑے بڑے محدثین ومشائخ حدیث نے اس کو علوم متعلقہ حدیث کی کسوٹی پر کسا۔ لیکن جو لقب اس کتاب کا قُدرت نے اس کے لئے منتخب فرمایا تھا، نہ ٹل رہا، اور کوئی ایسی علت ظاہر

نہ ہو سکی جس کی بنا پر حدیث کو صحیح کے لفظ کے علاوہ کسی دوسرے لفظ سے یاد کیا جاتا۔

اِس کتاب کی برکت اور قبولیت کا یہ عالم ہوا کہ نوّے ہزار محدثین نے اس کو امام بخاریؒ سے سُنا، اس کی ترپن ۵۳ شرحیں لکھی گئیں، جن میں سے بعض شروح کی چودہ ۱۴ چودہ ۱۴ ضخیم جلدیں ہیں۔ اور بائیس ۲۲ مستخرج لکھے گئے۔

امام بخاریؒ کی خودداری کا یہ عالم تھا کہ عمر ابن حفص اشتر کہتے ہیں "بصرے میں ہم اور وہ ایک ساتھ تحصیلِ علم میں مشغول تھے، ایک روز امام بخاریؒ درس میں نہ آسکے، ہم نے اس کی تحقیق کی، تو معلوم ہوا کہ بخاریؒ کے پاس اِتنے کپڑے نہ تھے کہ جو تن پوشی کے لئے کافی ہوتے۔ لیکن بخاریؒ نے کسی شخص پر اس کا اظہار نہ کیا چنانچہ آپ کے لئے لباس مہیّا کیا گیا، تب آپ نے درس میں آنا شروع کیا"۔

ایک مرتبہ خالد ابن احمد امیر بخارا نے خواہش ظاہر کی، کہ امام بخاریؒ اُس کے پاس جاکر بخاری سُنائیں لیکن امام نے اِس سے صاف اِنکار کر دیا۔ تو دوسرے درجے پر اُس نے یہ خواہش کی کہ شاہزادوں ہی کے لئے ایک مخصوص مجلس قائم کرکے اور بخاری کا درس دے دیا کریں۔ مگر امام بخاریؒ نے اس کا جواب بھی یہ دیا، کہ علم کی مجلس میں کسی کی تخصیص نہیں، ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ میری عام مجلس میں آکر علمِ نبوّت سے مستفیض ہو۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ امیر بخارا، اور امام میں ناگواریاں اِتنی ترقی کر گئیں کہ امام کو بُخارا چھوڑنا پڑا۔

خلاصہ یہ کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا علم، دربدر مارے مارے پھر کر، ہزاروں مُصیبتیں برداشت کر کے سینکڑوں مخالفتیں مول لیکر، وطن چھوڑ کر، حتیٰ کہ جان دے کر بھی ذلیل کرنا بھی گوارا نہ کیا، اور علم کی آن بان اور شان کو باقی رکھا۔

بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ کی (۴۴۶) حدیثیں۔ حضرت انسؓ کی (۲۶۸)۔ حضرت ابن عمرؓ کی (۲۷۰)، حضرت ابن عباسؓ کی (۲۱۷)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی (۴۲)۔ حضرت عمر ابن خطابؓ کی ساٹھ (۶۰) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی (۴۹)۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی (۲۲)۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی (۹)۔

حضرت ابو سفیانؓ کی ایک۔ دیگر صحابیات کی (۷۳) روایات ہیں۔

حضرات مُحدّثین کا احسانِ عظیم

ان حضرات محدثین نے صرف یہی نہیں کہ صرف احادیث کی تالیف و تدوین پر اپنی توجہ کو مرکوز رکھا ہو، بلکہ قرن ثالث کے بعد ایسے فرقے پیدا ہو گئے تھے، جنہوں نے اسلام کی بیخکنی کے لئے کذب و افتراء کو اپنے دین کا جزء قرار دے لیا تھا۔ اور اُن کی طرف بناوٹی احادیث مروّج کی جانے لگی تھیں، اس لئے ان اہلِ حق نے اپنی تمام تر توجہ اس طرف منعطف کر دی کہ احادیث رسول کا صحیح و غیر صحیح موضوع و مجہول حصہ بالکل ممتاز نظر آئے، اور ہر ایک دوسرے کے ساتھ مخلوط نہ ہو سکے۔

چنانچہ اِس سلسلہ میں علم حدیث کی تکمیل و ترتیب و حفاظت کے لئے کم و بیش ایک سو علم عدم سے وجود میں آئے۔ کتاب العجالہ میں علامہ حازمی نے لکھا ہے، کہ علم حدیث کی حفاظت و نصرت کے لئے بہت سے انواع ہیں، جن کی تعداد ایک سو تک پہونچتی ہے، ان میں سے ہر ایک نوعہ ایک مستقل فن ہے، اس موقع اُن تمام فنون کو بیان کرنا تو مشکل ہے، البتہ اُن علوم کا صرف حوالہ دینا ممکن ہے جو فی زمانہ زیادہ مشہور اور زیر مطالعہ رہے ہوں۔

(۱) علم اسماء الرجال۔ اس میں راویوں کے حالات سے بحث ہوتی ہے، یہ راویانِ حدیث کی سوانح حیات اور تذکرے ہیں۔

(۲) علم الروایت۔ اس میں روایت و ضبطِ حدیث پر بحث کی جاتی ہے۔

(۳) علم الدرایت۔ اس میں متن حدیث کی جانچ کرنے کے اُصول و ضوابط ہوتے ہیں۔

(۴) علم تدوین الحدیث۔ اِس میں حدیث کے جمع کرنے پر بحث ہوتی ہے۔

(۵) علم الناسخ والمنسوخ۔ اس علم میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ کونسی حدیث ناسخ ہے، اور کونسی منسوخ، اور اس کے منسوخ ہونے کا کیا سبب ہے؟

(۶) علم النزول ۔ اس میں حدیث کے شانِ نزول کے متعلق بحث ہوتی ہے ۔

(۷) علم النظر فی الاسناد ۔ اس میں حدیث کی سند پر بحث ہوتی ہے ۔

(۸) علم کیفیۃ الروایۃ ۔ اس علم میں ایسے اُصول ہوتے ہیں جن میں روایت کا طریقہ کہ راوی نے کس طرح روایت کیا ہے اور اس کے کیا درجات ہیں ؟

(۹) علم الفاظ الحدیث ۔ یعنی محدثین کی کیا اصطلاحات ہیں ؟ اور جن الفاظ میں حدیث مروی ہے، وہ الفاظ رسولؐ کے ہو سکتے ہیں یا نہیں ؟

(۱۰) علم المؤتلف و المختلف ۔ بعض صورتوں میں ایک ہی واقعہ ہوتا ہے، مگر دو[۲] شخصوں کے متعلق دو[۲] حکم ہوتے ہیں، یا دو[۲] واقعے ہوتے ہیں، لیکن حکم دونوں کا ایک ہوتا ۔ اس علم میں اس کی تفصیل و قواعد بیان کئے جاتے ہیں ۔

(۱۱) علم طبقات الحدیث ۔ کس درجے کی حدیث ہے، اور اس کے راوی کس طبقے کے ہیں ؟

(۱۲) علم غریب الحدیث ۔ یعنی غیر مانوس الفاظ کا حدیث میں کیا مطلب ہے ؟ اور حدیث میں کس مقصد کے پیش نظر آئے ہیں، اس زمانے کے محاورہ میں ان الفاظ کا کیا مطلب ہوتا تھا ؟

(۱۳) علم الجرح والتعدیل ۔ راویوں کے اعتبار یا بے اعتباری کے کیا وجوہ ہیں ؟

(۱۴) علم طرق الاحادیث ۔ بعض حدیثیں کئی کئی سندوں (طریقوں) سے مروی ہیں، اور معنوی حیثیت سے اُن کے ٹکڑے مختلف بابوں میں لائے جاتے ہیں، اس کی تفصیل اس علم میں کی جاتی ہے، ایسی احادیث بخاری میں کثرت سے ہیں ۔

(۱۵) علم الموضوعات ۔ موضوع احادیث کے پہچاننے کا کیا طریقہ ہے ؟

(۱۶) علم علل حدیث ۔ یہ علم دیگر علوم متعلقہ حدیث کی نسبت سے زیادہ ادق ہے، اس میں اس امر کا بیان کیا جاتا ہے کہ سند کے راوی کب پیدا ہوئے ؟ کہاں وفات پائی ؟ اُن کے ولادت سے

وفات تک کیا حالات رہے؟ کہاں سکونت رہی؟ القاب، اسماء، کنیت کیا کیا تھے؟ اُن کا حفظ، ضبط، فہم، معرفت، کس درجے کی تھی؟

(۱۷) عِلم تصحیف الاسماء۔ ہمشکل ناموں کی تشریح۔

(۱۸) عِلم الوحدان۔ قلیل الحدیث راویوں کا بیان۔

(۱۹) روایت الاباء عن الابناء۔ باپ کے بیٹوں سے روایت کرنے کا عِلم۔

(۲۰) عِلم روایتہ الصحابۃ عن التابعین۔ صحابہ کا تابعین سے روایت کرنا۔

(۲۱) عِلم الجمع والتفریق۔ مجہول راویوں کے حالات کا جاننا۔

(۲۲) عِلم معرفتہ الحدیث۔ علوم حدیث کی حقیقت کا بیان۔

(۲۳) عِلم الاسباب۔ جس میں حدیث کے اسباب بیان کئے جاتے ہیں۔

غرضیکہ حدیث کی معرفت کے لئے جو علوم ایجاد کئے گئے، وہ سَو سے زیادہ ہیں۔ ہر فن میں ائمہ حدیث نے کتابیں تصنیف کی ہیں، اُن میں سے اکثر کتابیں اب بھی قلمی ہیں، اور بعض بعض مطبوعہ بھی ہیں۔

مختصراً یہ کہ اگر کوئی شخص غائر نظر سے اس تاریخ کے واقعات کو دیکھے تو اُس کو خُدا کی قُدرت کا عجیب و غریب سماں نظر آئے گا، کہ جتنی کوشش علماء اسلام نے اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال، و شب و روز کی زندگی اور شریعت کے احکام کی حفاظت کے لئے کی۔ اِس کوشش کی نظیر ملنا ناممکن ہے، اور اُس کے ساتھ اُمتِ محمدی کی اس میں کامیابی بھی اسلام کی حقانیت کا ایک معجزانہ پہلو ہے، اِس سے زیادہ کامیابی اور کیا ہو سکتی ہے کہ جناب رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو دُنیا سے تشریف لے گئے ہوئے تیرہ سو چوہتر سال ہو گئے۔ لیکن جس طرح حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں پیروانِ اسلام، احکام خُداوندی کے ہر پہلو سے مستفیض ہو رہے تھے، آج بھی وہ اسی طرح

فیض حاصل کر رہے ہیں۔ انسانی زندگی کے ہر گوشہ، ہر پہلو کے لئے خواہ وہ خالص مذہبی ہو یا معاشی، اقتصادی ہو یا انتظامی، ارشادات نبی اُمّی صلے اللہ علیہ وسلم موجود ہیں، اور ان ارشادات (احادیث) کے روایت کرنے والوں کی زندگیاں فن اسماء الرجال کے آئینہ میں اس طرح دیکھی جا سکتی ہیں کہ جس میں انسان کے ظاہر و باطن ہر پہلو کا ایکسرے (X-RAY) ہو جاتا ہے۔ ہر راوی کی صحت جسمانی و روحانی کا پتہ چل جاتا ہے، جس سے احادیث نبویؐ کے مراتب و قبول و عدم قبول کے درجات معلوم ہونے کے بعد دیگر مذاہب باطلہ کے خلط ملط سے دین کو محفوظ رکھنا سہل الحصول ہو جاتا ہے۔

صرف یہی نہیں بلکہ سلف صالحین نے بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے اتنا ماخذ مہیّا کر دیا ہے کہ اب مزید کسی علم و فن کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ اگر کوئی چیز نئی عدم سے وجود میں آتی معلوم ہوتی ہے، تو وہ حقیقت میں نئی نہیں ہوتی، بلکہ انہیں حضرات سابقین کے علوم مدوّنہ کا صدقہ ہے کہ ہمارے اذہان اُنہیں کی تصانیف سے کسی مخصوص عنوان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اور انہیں کی تصنیفات و تالیفات کے کسی خاص مسئلہ کی بسط و تفصیل کسی جدید علم کی شکل اختیار کر لیتی ہے، اور ہماری کم علمی سے ہم کو وہ فن جدید نظر آتا ہے۔

چنانچہ سلف نے فنِ اُصول حدیث کے ذریعہ احادیث کے اقسام مقرّر کئے۔ اگر غائر نظر سے دیکھا جائے تو جتنے اقسام ان حضرات محدثین نے مقرر فرمائے ہیں، اگر ہمارے سامنے موجود نہ ہوتے تو یقیناً اتنے اقسام کی طرف ہم جیسے کم مایہ و بے بضاعت لوگوں کے ذہن کا منتقل ہونا بھی مشکل تھا۔